خانقاہی نظام

(حضرت سلطان باہو اور اقبال کے افکار کا جائزہ)

تصوف کو اصطلاحِ قرآنی میں ''تصدیق بالقلب'' کہا جاتا ہے۔اس کا بنیادی مقصد معاشرے کے اندر روحانی آسودگی کی فراہمی، عوام خواص کیلئے اطمینانِ قلب، ظاہری و باطنی گناہوں سے محفوظ رہنے کے لئے (تاکہ متوازی و صحیح اسلامی معاشرے کا قیام ممکن ہو سکے) تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کا حصول ممکن ہو سکے، اور ہم جو اقرار کرتے ہیں اس اقرار کی تصدیق نصیب ہو سکے واضح رہے کہ اقرار کا تعلق ظاہر سے ہے یعنی زبان سے ہے اور تصدیق کا تعلق باطن سے ہے یعنی قلب سے ہے ایک اصطلاح میں تصدیقِ قلب کو ''حق الیقین'' بھی کہتے ہیں۔جو کہ ایقان کا کامل ترین مرتبہ ہے (علم الیقین کا تعلق جاننے سے ہے اور عین الیقین کا تعلق ماننے سے ہے جبکہ حق الیقین کا تعلق پہچاننے سے ہے یعنی اس کا اول و آخر مشاہدہ ہی ہے) کلمۂ توحید قائم صرف پڑھنے پڑھانے سے نہیں ہوتا بلکہ مومن کو اس کا نفاذ اپنے دل پر کرنا پڑتا ہے۔جس طرح حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا پڑھدا کوئی ہو
جتھے کلمہ دل دا پڑھیوے جبھے نہ ملے ڈوئی ہو

علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لا شریک لہٗ

قلب کی تعلیمات اور اعمال کو روحانیت یا تصوف کہا جاتا ہے اسے رسولِ کریمؐ نے اپنی زبانِ گوہر فشاں سے ''فقر'' بھی فرمایا ہے (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) شرحِ فقر کرتے ہوئے اقبال اسے حقیقتِ دین قرار دیتے ہیں۔

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر گِد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقرِ غیور

گویا جو شخص اپنی محنت و کرمِ خداوندی سے وہ نورِ فقر یا فقرِ محمدیؐ حاصل کر لیتا ہے اسے فقیر کہتے ہیں۔فقیر جب فقر پہ کامل ہو جاتا ہے تو اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور انوارِ الٰہیہ کا مرکز بن جاتا ہے اور جہاں انوارِ ذات کا بسیرا ہو وہاں بقاء ہی بقاء ہوتی ہے جسم

پر تو موت لاحق ہو جاتی ہے مگر ان کے دل زندہ رہتے ہیں اور انہوں نے زندگی کے چند ایام میں جو کچھ کمایا ہوتا ہے اس کا فیض حاصل کرنے والوں لئے قیامت تک جاری رہتا ہے ان کی مرقد کو اصطلاحاً خانقاہ کہتے ہیں خانقاہ اس دنیا میں بسنے والوں کیلئے ایک دعوتِ عمل ہے، پیغام کردار ہے اگر خانقاہی نظام کے باطنی پہلو دیکھے جائیں تو شاید صرف اسی لفظِ باطن پہ ہی صوفیائے کرام نے ہزار ہا دفتر رقم فرما دیے اگر خانقاہی نظام کا معاشرتی تجزیہ کیا جائے تو خلافتِ راشدہ کے بعد جب ناعاقبت اندیشوں نے اسلام کو فرقہ بندی کا شکار کیا تو صرف ایک ادارہ (Institution) بچ گیا جو اس فرقہ بندی کی شدت کا شکار نہ ہوا یا اسی کی زد میں نہ آیا وہ ادراہ خانقاہ تھی چونکہ صاحبانِ خانقاہ کے سینے فقرِ محمدیؐ سے روشن تھے اور خود رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس مرضِ لادوا (فرقہ واریت) کو سختی سے ناپسند فرمایا اور جن کے سینے آقا کریمؐ کے سینے کے نور سے منور تھے ظاہر ہے انہوں نے بھی اس سے اجتناب کیا اور شرک و رسوماتِ شرک کو سختی سے رد کیا مستیٔ احوال اور مستیٔ گفتار دونوں کو الگ الگ حیثیت میں ضعیف قرار دیا بلکہ دونوں کو یکجا کر کے اس کے امتزاج کو حقیقی کردار کے طور پر سراہا کچھ عرصہ تک تو خانقاہ اپنی اصلی صورت پر برقرار رہی مگر بعد میں اس عظیم الشان ادارہ کے اندر بھی خرابی شروع ہو گئی وہ خرابی پیدا کرنے والے کوئی اغیار نہیں تھے بلکہ انہی بزرگان کی اولادیں تھیں جنہوں نے اس نظام کا بیڑہ غرق کر دیا۔ ہم ایک تجزیہ کے مطابق ان اسلاف کی اولادوں کو تین معیاروں میں تقسیم کرتے ہیں ایک تو وہ تھے جنہوں نے اپنے آباء کے مشن کو صحیح طور پر سمجھا اور اسے وراثت کی بجائے امانتِ الٰہیہ تصور کیا اور اس کے حصول کیلئے پیکرِ کردار بنے اور اسلاف کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے حقیقتِ دین کو اپنایا اور ظاہر و باطن کے امتزاج سے سنتِ محمدیہؐ کے عین مطابق اسی معاشرے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ان میں دوسرا طبقہ وہ تھا جو بیچارہ اپنے آپ کو کرمِ شہزادگی لگا بیٹھا اور پیر کی اولاد ہونے کی وجہ سے خود بھی پیر بن بیٹھا خوشامدی اور مفاد پرست خلفاء کی دست بستگی و رندہی عقیدت نے انہیں غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا جس طرح حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں۔

پڑھ پڑھ علم مشائخ سداون کرن عبادت دوہری ہو
اندروں جھگی پیئی لٹیوے تن من خبر نہ موری ہو

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

آپ نہ طالب ہن کہیں دے لوکاں نوں طالب کردے ہو
چاون کھیپاں کردے سیپاں ،اللہ دے قہر تو ں نا ہیں ڈردے ہو
عشق مجازی تلکن بازی پیر اوتّے دھردے ہو
اوہ شرمندے ہوسن باہو اندر روز حشر دے ہو

انہی شرمندگانِ حشر نے شرع و طریقت کو الگ کر دکھایا ظاہر کے کردار کو چھوڑ دیا اور صرف اپنے اندر میں مگن رہنے لگے گویا انہوں نے قدیم ہندو جوگیوں اور سادھوؤں کا راستہ اختیار کیا شریعتِ محمدیؐ کو چھوڑ کر رہبانیت کو فوقیت دی علامہ اقبال شرحِ

طریقت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن بہ اعماق حیات

''پس اے موصوف شریعت کو زندگی کی گہرائیوں سے دیکھنے کا نام طریقت ہے''

اسی طرح حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں۔

علم باطن ہو ہم چوں مسکہ علمِ ظاہر ہم چوں شِیر
کے بود بے شِیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

''علم باطن مکھن کی مثل ہے اور علم ظاہر دودھ کی مثل، پس بغیر دودھ کے مکھن کیسے آ سکتا ہے اور بغیر پیر کے پیر کیسے بنا جا سکتا ہے''

علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو

سلطان الفقر (ششم) حضرت سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ (بانیٔ اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین) فرماتے تھے کہ عبادت کیلئے وضو ضروری ہے یعنی ایک شخص اگر وضو نہیں کرتا اور نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور جو ہمارے اعمال ظاہر ہیں یہ ہمارے باطن کا وضو ہیں جب تک ہم یہ وضو نہیں کرتے اس وقت تک ہم باطنی عبادت کے اہل نہیں ہوتے جب ان اسلاف کی اولاد کا یہ دوسرا طبقہ اعمالِ صالح سے ہٹا اور رہبانیت اختیار کی تو ان کی دیکھا دیکھی کئی بے عمل اٹھ کھڑے ہوئے اور پیری کو کاروبار بنالیا تو اس پر کوئی کاپی رائٹس تو تھے نہیں کہ انہیں اسی دنیا میں حساب چکانا پڑتا ہو گلی محلے میں جعلی پیری کے اڈے بنتے گئے اور لوگ اس حقیقت سے محروم ہوتے چلے گئے پھر اس حقیقت کی جگہ فرسودہ وضعیف روایات نے لے لی، فرسودہ روایات اور مادی مفادات نے اسے صرف الف لیلوی داستان بنا دیا وہ آستانے اور وہ خانقاہیں جو کبھی تبلیغِ اسلام کا مرکز اور تعلیماتِ نص وحدیث کی وارثِ حقیقی ہوا کرتی تھیں ان ڈبے، جعلی اور دو نمبر پیروں نے اسے صرف تجارت مدفن تک محدود کر دیا وہ فقراء کرام جو حامل وکامل فقرِ محمدیؐ تھے جنہوں نے اپنے کردار وعمل سے اور اپنی نگاہِ کیمیاء گر ونگاہ بہ مثلِ سنگِ پارس سے مخلوق خدا کو اللہ کی وحدانیت کا پیغام دیا ہم نشینیٔ مقصودِ حیات کو بھی بے حجابی سے مشروط کیا حقیر سی جوئے آب کو اپنی صحبت کی تاثیر سے دریائے تند وتیز بنا کر ساحل نشینی سے کنارہ کش بنا کر نورِ وحدانیت کے بحرِ بے کنار کی عمیق گہرائیوں کا غواص باکمال بنا دیا۔

گرمیٔ مستیٔ کردار سے طالبانِ مولیٰ کو محفل گداز بنایا۔ صبحِ ازل کی مشاورتِ جبریل کے مطابق ان کاملین نے مخلوق کے سینوں میں دھڑکنے والے دلوں کو غلامیٔ عقل سے نجات عطا فرما کر ان کے صدور کو قلب سلیم کی وسعتوں سے مالا مال کیا شراکتِ میانۂ حق وباطل سے باز رکھ کر مشاہداتِ انوارِ معرفت میں مستغرق کیا اور عالمِ انس کو پختگیٔ کردار کا درس دیا مگر افسوس صد افسوس کہ ان

جلیل القدر ہستیوں کی آنے والی پشتوں نے مقصد اسلاف کو بھلا کر مرقدِ اسلاف کی بری طرح توہین کی اس کے استحقاق کو مجروح کیا اور اسے اپنی وراثت سمجھ کر ذریعۂ معاش بنا بیٹھے تبھی تو روحِ اقبال بلبلا اٹھی۔

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

ایسے ہی مقاصد سوز ناقصین کے بارے حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

مرشد کامل بود صاحبِ قلب
مرشدِ ناقص بود ہم چوں کلب

''مرشد کامل صاحبِ قلب ہوتا ہے اور مرشد ناقص کتے کی مثل ہوتا ہے''۔

کیا قیامت ہے کہ شعلے تشنۂ آب نظر آتے ہیں اور حرارت متلاشیٔ خُنک! شاید اسلاف کی اسی بھولی بھٹکی اولاد کے کالے کرتوتوں سے دلبرداشتہ ہو کر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرتِ اقبال فرماتے ہیں۔

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن راز چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھولوں میں غماز چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

یہی تو وہ مرضِ گہن ہے جو اب مرضِ لادوا بنتا جا رہا ہے جس کے تریاق کی ملّت بیضا کو آج سخت ضرورت ہے فریب خوردہ شیر اب بھیڑوں کے ریوڑ میں چر رہا ہے اب جنگل کی بادشاہی کون کرے گا۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسمِ شاہبازی

شاید یہی وقت ہے کہ وارثانِ خانقاہ مروجہ و فرسودہ خیالات و روایات کو ترک کریں اور نمودِ نوری کی تحریک اپنے پہلوئے چپ سے شروع کریں اور ''اسباق کردار'' کی ورق گردانی کریں ورنہ موجودہ و مروجہ نظام تو چیلنج ہو چکا ہے۔

ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقہوں سے

اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا

ناپاک ظروف میں اب بھنگ رگڑنے کا دور گزر چکا ہے معاشرہ کافی حد تک بیدار ہے اگر یہ شب خوابی، آرام پرستی اور کاروبارِ مزار بند نہ ہوا تو شاید تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی اگر یہ تحریک زبوں حالی کا شکار نہ ہوتی اور اپنے اصل مقاصد پہ قائم رہتی تو شاید آج دنیا کو دو قومی نظریہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ پوری دنیا حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی ہوتی تبھی تو ابلیس اپنی مجلسِ شوریٰ کو یہ حکمِ خاص جاری کرتا ہے کہ

مست رکھو ذکر و فکر صبح وگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اگر یہ اسی پر اکتفا کیے رکھے گا تو شاید ابلیسی نظام کا نظم ونسق برقرار رہے گا اگر یہ خانقاہی مزاج سے نکل کر خانقاہی معراج کی طرف پیش قدمی کر گیا تو شاید یہ لشکر معرکۂ روح وبدن کا حل نکال لے اور تہذیبی درندوں کو زندہ درنار کر دے۔ کیوں کہ اس لشکر کی طاقت کا اندازہ مشیرانِ ابلیس یعنی اہلِ مغرب کو نہ ہوگا جس طرح حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او نے نظر بنور اللہ نیست

''آہ! یورپ اس مقام سے آگاہ نہیں ہے کیوں کہ اس کی آنکھ ''مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' کی مصداق نہیں ہے''۔ بے عمل بے کردار ڈبے پیروں نے جگہ جگہ روحانی دوکانیں کھول لی ہیں۔ تشہیر کرامات، من گھڑت خوابوں اور شیطانی کشوف نے انہیں مکافاتِ عمل سے بے خبر کر دیا ہے۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو

کاش اس نظام کے ذمہ داران کرامت کی بجائے استقامت (جو حقیقتِ دین ہے) کا درس دیں تو وہ وحدہ لاشریک گواہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اتنا ہی سفر رہ جاتی ہے جتنا کہ ''شعیب میسر آنے کے بعد شبانی سے کلیمی''۔

خانقاہی نظام کا جتنا رگڑہ اسلاف کی اولاد کے دوسرے طبقہ نے نکالا ہے اس سے کہیں زیادہ تیسرے طبقہ نے نکالا ہے یہ وہ طبقہ ہے جو اسلاف کی میراث (یعنی فقرِ محمدیؐ) کو حاصل نہ کر سکا مگر انہوں نے سوچا کہ اگر ہم اس منزل ومقام تک نہیں پہنچ سکے تو کم از کم روزی معاش کا کوئی مثبت ومؤثر ذریعہ تو بنا لیں انہوں نے علم کی راہ نکالی اور حصولِ علم کے لیے چل نکلے (ایک بات کی وضاحت یہاں ضروری ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے مگر وہ علم جس کی بنیاد محبت پہ ہو ایثار پہ ہو نہ کہ نفرت وفساد پہ)۔ جب وہ علم حاصل کرنے نکلے تو حادثہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو وہ اسلاف سے بھاگ کر جا رہے تھے کہ ان سے بہتر علم لیں گے مگر جب آگے پہنچے تو دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں کی درسگاہ نہیں تھی کوئی درسگاہ سنیوں کی تھی کوئی شیعہ کی تھی کوئی دیوبند کی تھی اور کوئی اہلِ

حدیث کی، سب مسالک اور فرقوں کی درس گاہیں تھیں خالصتاً اسلام کی بنیاد پہ (فرقوں سے ماوریٰ) کوئی درسگاہ بھی نہیں تھی ظاہر ہے انہوں نے جس مسلک کی درسگاہ میں قدم رکھنا تھا اس مسلک کی چھاپ ان پہ لگ جاتی تھی اور یہی ہوا اب عالم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حضرت پیر بھی تھے چونکہ پیر کی اولاد تھے۔

میراث میں ملی ہے انہیں مسندِ ارشاد

اب ستم یہ ہوا کہ جب وہ علماء (فرزندانِ مشائخ) نے خود کو اولادِ پیر ہونے کی وجہ سے پیر اکہلوانا شروع کیا تو ان کے ہم جماعت دیگر علماء نے دیکھا کہ ''پیری کرنی تو اتنی آسان ہے مریدین کو صرف وعظ نصیحت ہی کرنا ہے تو وہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں، تعویذ اور دم رکھنا ہے تو وہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارا وہ ہم جماعت کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے'' اب اس پیر کے ہم جماعتوں نے سوچا کہ ''علم ہمارے پاس اس سے زیادہ وہ تو پھر بھی کبھی دو چار صیغے بھول جاتا تھا یا صرف ونحو کی ترکیب غلط کر بیٹھتا تھا ہم نے تو کبھی غلطی نہ کی تھی'' اس لئے ان کی دیکھا دیکھی علماء بھی پیر بن بیٹھے شاید کچھ قارئین کو یہ بات نا گوار گزرے کہ اکثر دربار اور درگاہیں ایسی قائم ہو چکی ہیں جنکی بنیاد فقر و معرفت نہیں بلکہ صرف اور صرف علم و حکمت ہے جبکہ جہاں صرف علم ہو وہاں درسگاہ تو بن سکتی ہے خانقاہ نہیں بن سکتی کیوں کہ خانقاہ تو ہے ہی وہ جس کے پاؤں کسی مسلک کی زنجیر سے جکڑے ہوئے نہ ہوں جس کے دامن پہ کسی فرقہ کے شب خون کے داغ نہ ہوں جس کے گلے میں مسلمانوں میں تقسیم اور پھوٹ ڈالنے کا طوق نہ ہو جس کے ہاتھوں میں مسلمانوں میں تفریق ڈال کر ہانکنے اور اپنا مفاد نکالنے کی چھڑی نہ ہو۔ کیوں کہ اگر خانقاہ کا بنیادی ڈھانچہ دیکھیں جس طرح اس کی تشکیل ہوئی اس میں نہ کوئی تقسیم ہے اور نہ کوئی تفریق، قدیم خانقاہ کو اگر دیکھیں تو وہ تین حصوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

1۔طعام گاہ 2۔قیام گاہ 3۔کلام گاہ

1۔طعام گاہ:

ہر خانقاہ پہ عوام خواص کیلئے لنگر کا اہتمام کیا جاتا تھا جہاں سے لوگ بلا تفریق کھانا پینا مفت حاصل کرتے تھے اس پہ کوئی قید نہیں ہوتی تھی کہ وہ کس مذہب یا کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے سب ہی ایک صف میں بیٹھ کر لنگر حاصل کرتے اس کا زندہ مشاہدہ آج بھی ہر خانقاہ پہ دیکھنے کو ملتا ہے بالخصوص انڈیا کے اندر جہاں مخلوط معاشرہ ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت عبدالرحمان دہلویؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ یا کسی بھی صوفی و عارف کی خانقاہ پہ عموماً عرس کی تقریبات میں خصوصاً جتنا ہجوم مسلمانوں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ہجوم غیر مسلموں کا ہوتا ہے اب تو دنیا نے بڑی ترقی کر لی ہے جگہ جگہ ہوٹل اور ریستورانٹ بن گئے ہیں ورنہ پہلے قافلے جب چلتے تھے تو وہ اپنا راستہ اس طرح معین کرتے تھے کہ ہمارا اتنے دن کا سفر ہے اور راستے میں ہمیں فلاں فلاں جگہ پہ خانقاہ پڑتی ہے اس لیے اتنے اوقات کے طعام کا بندوبست ہمارا ان خانقاہوں سے ہو جائے گا۔

2۔ قیام گاہ

لنگر خانہ کی طرح ہر خانقاہ پہ مسافر خانے تعمیر کیے جاتے تا کہ زائرین ومسافرین کے قیام ورہائش کا انتظام ہو وہ بھی بالکل لنگر کی طرح اپنے پرائے کی تفریق کے بغیر عوام خواص کے لئے بالکل مفت تھا۔اس کے لئے بھی کہیں بھی جانے والے قافلے خانقاہوں کی پناہ ڈھونڈتے تھے کہ مفت اور مناسب قیام مل جائے گا بنیادی طور پہ اگر دیکھا جائے تو درج بالا ہر دو انتظام اس وقت کی ایک منظم تنظیم کے مترادف تھے کہ جو تنظیم اپنی خوبیوں کی بناء پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔

3۔کلام گاہ:

لوگ ان کے حسن کردار، حسنِ اخلاق اور حسنِ انتظام سے متاثر ہو کر کھنچے چلے آتے تھے جب لوگ وہاں پہ آتے تو پھر تیسرا حصہ جسے کلام گاہ کہا گیا ہے وہ اپنا تحرک دکھاتا اور غیر مسلموں کو بصیرت کلام سے مسلمان، مسلمانوں کو مومن، مومنوں کو عارف اور عارفوں کو معارف بناتا خانقاہی نظام کی سب سے بڑی مثال اگر لی جائے تو وہ رسولِ اکرمؐ کا مکی دورِ مبارک ہے کہ آپ نے بلا امتیاز غلام وسردار ہر کسی کو اپنی نظر عنایت سے نوازا اگر اس وقت ایک معیار رکھ دیا جاتا کہ نہیں صرف مسلمان ہی بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری سے فیض یاب ہوسکتا ہے تو پھر کتنے لوگ ہوتے جو جانثارانِ نبیؐ بنتے اس لیے صاحبانِ خانقاہ سے یہ گزارش ہے کہ اپنی بنیاد فرقوں کی تاویلات سے اخذ کیے گئے علم پہ نہ رکھیں بلکہ اس کی بنیاد اس فقرِ محمدیؐ پہ رکھیں جو تمام فرقوں اور تفریقوں سے منع کرتا ہے خدا کی مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیتا ہے اور عوام کو بھی بیداری کے ناخن لینے چاہئیں کہ

خانقاہ ہے کیا؟

اس کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

اور بنیادی نظام یا انتظام کیا ہے؟

☆☆☆☆